Vol.4 No.2 2021

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

چھیماہی ”کھوج“ کے حوالے سے شاہ حسین کی زندگی اور کلام

A STUDY OF SHAH HUSSAIN’S LIFE AND POETRY WITH REFERENCE TO SIX MONTHLY “KHOJ”

* ظفر اقبال

پی ایچ ڈی اسکالر

شعبہ پاکستانی زبانیں، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

** ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد

ایسوسی ایٹ پروفیسر

شعبہ اُردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

Abstract:

Punjabi sufi poet Shah Hussain is considered the second classical poet who gave rebirth to Punjabi poetry by continuing the legacy of Baba Farid. He was the founder and first poet of “Kafi”. This article through light on the articles of different writers published in the “Khoj” in which the life, work, philosophy, culture and prevailing situation of the region with historical background has been illustrated. These writers have discussed different religious, social, cultural and political aspects of Shah Hussain’s philosophy. This is also a study of Shah Hussain’s poetic work to understand his message. These articles are just glimpses of the life and literary work of Shah Hussain the great Punjabi Sofi Poet.

پنجابی ایک قدیم زبان ہے، اس میں ادب کی روایت کا سراغ اگرچہ ساتویں صدی عیسوی سے ملتا ہے، تاہم وہ نمونے اس قدر مشکل اور پیچیدہ ہیں، جنھیں سمجھنا آج کے دور میں آسان نہیں۔ پنجابی زبان کی باقاعدہ ادبی روایت کا آغاز حضرت بابا فرید گنج شکر (1174-1265) سے ہوتا ہے اور محققین کی اکثریت انھیں پنجابی کا اولین شاعر قرار دیتی ہے۔ بابا فرید کے بعد اگرچہ پنجابی شاعری کے متعدد نمونے تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں تاہم انھیں محض تاریخی حیثیت حاصل ہے۔ بابا فرید کے بعد پنجابی شاعری کی سب سے توانا آواز شاہ حسین (1538-1599) کو قرار دیا جاسکتا ہے، جنھوں نے اپنی لافانی شاعری کے ذریعے نہ صرف اپنے عہد کی تہذیب و ثقافت کو عکس بند کیا بلکہ پنجابی زبان کو نئے امکانات کی بشارت دی۔ انھوں نے بلاشبہ پنجابی شاعری کو حیات نو دیتے ہوئے اس سلسلے کو آگے بڑھایا۔ ان کی شاعری نہ صرف اس زمانے میں بلکہ آج کے دور میں بھی اہمیت و خصوصیت کی حامل ہے۔ تحریری ادب کی ابتدا معاشرے کی ترقی کا اشارہ ہے، یہ سماجی تبدیلیوں کا پیش خیمہ اور نئی حقیقتوں کا عکاس ہوتا ہے۔ زبانی روایت کے مقابلے میں تحریر عصری معاملات، مسائل، مشکلات اور مختلف واقعات کو بہتر انداز میں پیش کرتے ہوئے محفوظ اور اجاگر کرتی ہے جس کی روشنی میں مستقبل کی راہیں متعین کی جاسکتی ہیں۔ پنجاب کے بدترین سیاسی اور سماجی حالات اس روایت کے پختہ ہونے میں ہمیشہ حائل رہے۔ اقتدار میں آنے والی نت نئی حکومتیں، قتل و غارت، تخریبی سرگرمیاں، بیرونی حملہ آور، اپنوں کی سازشیں اور افواہیں ایک تسلسل کے ساتھ پنجاب کی تاریخ و ثقافت کو تباہ کرنے کے درپے رہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کئی علمی اور ادبی ورثے لوٹ لیے گئے یا ضائع ہوگئے۔ یہاں کی تہذیبی یادداشتوں کو اجتماعی حافظے سے مٹانے کی کوششیں ہوئیں مگر ہر دور میں عصری حالات کو قلم بند کرنے کا رجحان کسی نہ کسی صورت موجود رہا۔

ثقافتی اور تخلیقی سرگرمیوں کے اظہار اور ان کی حوصلہ افزائی کے حوالے سے تیرہویں سے پندرہویں صدی کا مغل دور ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں صوفیہ کی آمد اور اپنے پیغام کا مقامی زبانوں میں اظہار ایک ایسا سنگ میل ہے جہاں سے اس خطے کے بسنے والے لوگوں کی تہذیب و ثقافت ترقی کی طرف گامزن ہو کر دنیا کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب رہی۔ پنجاب کے تقریباً تمام صوفیا مقامی زبانوں کے ساتھ ساتھ عربی اور فارسی کا گہرا علم بھی رکھتے تھے تاہم انھوں نے اظہارِ حقیقت اور اپنے عرفانی کلام کی موثر ترسیل کے لیے مقامی زبانوں کا انتخاب کیا۔ شعر گوئی اُن کا مقصد ہرگز نہ تھا بلکہ وہ اپنے پیغام کی ترسیل کے لیے شاعری کو بطور ایک

Vol.4 No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

میڈیم کے استعمال کرتے تھے لیکن اس کے باوجود اُن کے کلام کے فنی رنگ و آہنگ سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔صوفیا سماجی و فکری برتاؤ میں، رواداری اور بقائے باہمی کے قائل تھے۔ انھوں نے کائنات اور اس کی چیزوں کو حیاتیاتی سلسلہ بندی میں ہمیشہ انسانی نقطہ نظر کے جذبے کے تحت دیکھا اور اس کے اظہار کے لیے شعر کو وسیلہ بنایا۔

لاہور کو یہ منفرد اعزاز حاصل ہے کہ اگرچہ اس کی فضا سیاسی طور پر ہمیشہ تلاطم کا شکار رہی ہے لیکن اس کے باوجود علمی اور درس و تدریس کے حوالے سے یہ ہمیشہ مثالی شہر رہا ہے۔اس زمانے میں مدرسوں کے نظام میں اتنی وسعت و گنجائش موجود تھی کہ یہ کلی طور پر مذہبی تعلیم کے لیے مخصوص نہ تھے۔ نصاب تعلیم میں قرآن، حدیث، فقہ، تحقیق، تصوف، صرف و نحو، شاعری، قصہ حتیٰ کہ بعض مدرسوں میں سنسکرت بھی پڑھائی جاتی تھی۔ان مدارس اور علما کی بدولت مختلف ادوار میں کئی لوگ انفرادی حیثیت سے سامنے آئے۔ان لوگوں میں ایک شاہ حسین بھی تھے جنھوں نے پنجابی شاعری کو حیات نو بخشنے کے ساتھ ساتھ ایک نئی فکر عوام کے سامنے پیش کی۔شاہ حسین پنجابی کے وہ واحد صوفی شاعر ہیں، جن کا تعلق پنجاب کی سرزمین سے تھا،ان کے اجداد لاہور کے اصل باشندے تھے۔

شاہ حسین المعروف مادھولال حسین پنجابی صوفی شاعر 945ھ بمطابق 1539ء میں لاہور میں ٹکسالی دروازے کے باہر راوی کے کنارے آباد ایک محلے "تل بگھ" میں پیدا ہوئے۔ تل بگھ کے محلِ وقوع کے بارے میں لکھا ہے:

> "شیخ حسین لاہور دے محلہ تل بگھ (بگھ ٹلا) دی جیہڑی آبادی وچ جیہا سی اوہ موجودہ ٹیکسالی دروازے توں باہر تے حضرت علی ہجویری دے مزار توں شمال ول واقع سی۔"(1)

آپ کے والد کا نام شیخ عثمان اور دادا کا نام کلجس رائے تھا۔شاہ حسین کی ابتدائی زندگی پر نظر ڈالی جائے تو ان کا تعلق ایک متوسط گھرانے سے تھا۔ شاہ حسین کا خاندانی نام ڈھاڈھا حسین تھا۔ ڈھاڈھا یا ڈھڈی پنجاب کے راجپوتوں کی ایک ذات ہے۔شاہ حسین کے والد شیخ عثمان پیشے کے لحاظ سے بافندہ(جولاہا) تھے اور کپڑا بنانے کی کھڈی لگا رکھی تھی۔شاہ حسین نے فخر کے ساتھ اپنے آبائی پیشے کا ذکر جا بہ جا کیا ہے اور اپنے آپ کو کئی جگہ "حسین جولاہا" کہا ہے۔شاہ حسین بھی عصری روایت کے مطابق حصول تعلیم کے لیے مولانا ابو بکر کے مدرسے میں گئے جہاں انھوں نے بنیادی دینی تعلیم حاصل کی اور عربی فارسی کی کتابیں پڑھیں۔

شاہ حسین پنجابی کے صاحبِ طرز اور قادر الکلام شاعر تھے۔انھوں نے اپنے جذب و احساس کی پیش کش کے لیے پنجابی کی جس صنف کو چُنا، اُسے کافی کہتے ہیں۔ کافی اگرچہ شاہ حسین سے پہلے بھی کہیں کہیں لکھی گئی مگر کافی کا اولین باعتبار نمونہ شاہ حسین کی کافیوں کو قرار دیا جاتا ہے۔انھوں نے اپنے وسیب اور رہتل سے علامتیں تراشیں اور ان سے ایک بالکل نیا جہانِ معنی خلق کیا۔شاہ حسین نے چرخہ، تکلا، پُونی، گوہڑی، تند اور ان سے جڑی لفظیات کو جس علامتی رنگ میں پیش کیا،وہ اپنی مثال آپ ہے،بعد کے پنجابی شاعروں نے شاہ حسین کی علامتوں اور استعاروں کو استعمال کر کے ان کی معنویت کو نئے رنگوں سے آشنا کیا۔ شاہ حسین کی لفظیات زبان کے ساتھ اُن کے غیر معمولی انسلاک کی گواہ ہیں۔انھوں نے اپنی اختراعی صلاحیت اور تخلیقی لیاقت سے زبان کو نئے لفظ دان کر کے اس کے ذخیرے کو وسعت بخشی۔انھوں نے تصوف کی رمزیت اور بھید بھری کیفیات کو عام سماجی رنگوں میں پیش کر کے خلقِ خدا کی رہبری اور رہنمائی کا وظیفہ ادا کیا۔پنجابی زبان کے اس بے مثل اور بے بدل شاعر کی زندگی، فکر اور کلام پر پنجابی، اُردو، انگریزی اور دُنیا کی کئی زبانوں میں کتابیں، مقالات، مضامین اور تبصرے لکھے گئے اور محققین وناقدین نے ان کی انفرادی خصوصیات پر بہت لکھا تاہم ابھی تک ان کی زندگی اور کلام کے بارے میں بہت کچھ لکھنے اور تحقیق کرنے کی ضرورت ہے۔ اورینٹل کالج کے شعبہ پنجابی کو پنجابی زبان وادب کے ایک بڑے مرکز کی حیثیت حاصل ہے، جہاں پنجابی زبان وادب کے حوالے سے تدریس اور تحقیق کا سلسلہ کئی دہائیوں سے روبہ عمل ہے۔1978 میں اس شعبے سے ایک خالصتاً تحقیقی مجلے "کھوج" کا اجرا ہوا۔اس تحقیقی مجلے کا اولین مقصد پنجابی زبان وادب کے گم شدہ ورثے کی بازیافت اور تحفیظ تھی۔اس میں نئے اور پُرانے لکھنے والوں اور محققین وناقدین نے زبان وادب کے مختلف گوشوں اور قدیم شعرا کے حوالے سے قابلِ قدر مضامین پیش کیے ہیں۔زیرِ نظر مضمون میں شاہ حسین اور ان کے فکر و فن کے حوالے سے کھوج میں شائع ہونے والے تحقیقی و تنقیدی مضامین کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

کھوج کے شمارہ نمبر گیارہ۔بارہ(11-12) میں معروف محقق اور ماہرِ لسانیات عین الحق فرید کوٹی کا چودہ(14) صفحات پر محیط مضمون "شاہ حسین دا کجھ ہور کلام" کے عنوان سے چھپا ہے جس میں انھوں نے قدیم مصادر کی مدد سے شاہ حسین کا کچھ ایسا کلام مہیا کیا ہے، جو متداول کلام میں موجود نہ تھا۔انھوں نے ڈاکٹر موہن سنگھ کی مرتب کردہ کافیاں شاہ حسین کو ایک اہم خدمت قرار دیا تاہم ان کا کہنا ہے کہ ان کے پاس موجود کلام اور کافیاں شاہ حسین مرتبہ ڈاکٹر موہن سنگھ میں متن کا اختلاف جا بہ جا موجود

Vol.4 No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ہے۔اس لیے شاہ حسین کے کلام کو نئے انداز سے تدوین کرنے کی ضرورت ہے۔"گوربلاس" کو انھوں نے شاہ حسین کے کلام کا اولین ماخذ قرار دیا ہے۔یہ کتاب ان کے عہد میں مکمل ہوئی۔اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

> ''شاہ حسین دیاں کافیاں دا سب توں پہلا ویروا سانوں سکھاں دی مذہبی کتاب ''گوربلاس'' وچ ملدا اے۔ ایہہ کتاب چھیویں گورو ہرگوبند (1606 توں 1645) دے زمانے وچ رچی گئی۔ ایس طرح کتاب نوں شاہ حسین (1538-1599) دے زمانے دی سمکالی گنیا جاسکدا اے کیوں جے ایہدے رچن والے نے ایہہ سارا حال اپنی اکھیں ڈٹھی شہادت موجب قلمبند کیتا۔''(2)

1718 میں ایک سکھ عقیدت مند نے اس کو نظم کی شکل دی جس کا خطی نسخہ موجود ہے۔''گوربلاس'' کا مصنف شاہ حسین کے بارے میں لکھتا ہے کہ جب گورو ارجن دیو ''گورو گرنتھ'' مرتب کر رہے تھے تو لاہور سے کاہنا بھگت، چھجو بھگت، پیلو بھگت اور شاہ حسین ان سے ملنے کے لیے امر تسر گئے تھے۔وہاں پر گورو ارجن دیو نے ان بھگتوں اور شاہ حسین سے ان کا کلام سنا۔اس وقت شاہ حسین نے جو کافی سنائی تھی اس کی اصل عبارت ''گوروشبد رتناکر'' میں بھی موجود ہے۔

مصنف کی تحقیق کے مطابق شاہ حسین کی کافیاں سید شرافت حسین نوشاہی کے ذاتی کتب خانے میں ایک قلمی بیاض میں موجود ہیں جو کہ 1772 کی مکتوبہ ہے۔ پنجاب یونیورسٹی، لاہور میں 1804 میں تحریر کیے گئے گورمکھی رسم الخط میں ایک قلمی نسخے میں شاہ حسین کی سات کافیاں موجود ہیں۔ جے۔ ایس۔ سنت سنگھ نے 1915 میں لاہور سے ''کافیاں شاہ حسین کیناں'' اردو طرز تحریر میں چھاپا تھا جو کہ سب سے پرانا ہے۔ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ نے 1942 میں سندھ اور پنجاب کے کتب خانوں اور کچھ ذاتی کتب خانوں میں سکھ مذہب کی کتابوں میں سے شاہ حسین کی 165 کافیاں لاہور سے ''مکمل کلام شاہ حسین لاہوری'' کے عنوان سے چھاپی۔

ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ کے بعد ڈاکٹر نذیر نے شاہ حسین کے کلام کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی اور کافیوں کو مرتب کرتے ہوئے اپنے اصول وضع کر کے ان کے مطابق کافیوں میں کاٹ چھانٹ کر کے پیش کی ہیں۔انھوں نے شاہ حسین کے کلام کا متن تبدیل کر کے اس کی صورت بگاڑ دی۔ جس کی وجہ سے نہ صرف معنوں میں بلکہ اصل الفاظ میں بھی بہت زیادہ تبدیلیاں ہو گئی ہیں۔ڈاکٹر نذیر نے شاہ حسین کی طرف سے اس وقت مستعمل پنجابی الفاظ ارجائیل۔عزرائیل،پیکنبر۔پیغمبر،مطبل۔مطلب،جباب۔جواب وغیرہ کو بھی نئے انداز میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔منشی محمد الدین فوق کو شاہ حسین کے فارسی کلام کے سلسلے میں بھی مشکلات پیش آئیں لیکن انھوں نے کہا'' ان کی اصلاح کرنا ادباً مناسب نہیں''۔

کھوج کے شمارہ نمبر اکتالیس (41) میں آٹھ (8) صفحات کا شریف کنجاہی کا مضمون ''گلاں شاہ حسین دیاں'' چھپا ہے جس میں شاہ حسین کی زندگی کی بجائے ان کی سوچ اور کلام کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ان کے مطابق شاہ حسین نے بابا فرید کی روایت کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔شاہ حسین نے بابا فرید کی طرح علامات کے طور پر چرخہ اور اس کے مختلف حصوں کو استعمال کیا ہے۔

بابا فرید نے اس وقت کی تہذیب و ثقافت کی عکاسی کے لیے مقامی علامات استعمال کی تھیں۔مصنف نے خیال ظاہر کیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ گورو نانک نے اپنی بیاض میں بابا فرید کا کلام درج کرتے ہوئے وہ کلام شامل نہ کیا ہو جس میں چرخے کو علامت کے طور پر استعمال کیا گیا ہو کیوں کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ بابا فرید نے چرخے کو علامت کے طور پر استعمال نہ کیا ہو۔ مصنف کے مطابق شاہ حسین کی کافیوں میں چرخے کو علامت کے طور پر استعمال کرنے کی وجہ سے ان کو جولاہا سمجھا گیا، جب کہ انھوں نے خود کو علامتی طور پر جولاہا کہا تھا۔مصنف نے شاہ حسین کو ملامتی طبقے سے جوڑنے کے بارے میں بھی اپنے خیال کا اظہار یوں کیا ہے؛

> ''جویں اوہناں دے ملامتی ہون دی گل اے۔ تے جے کر ایس توں مراد ایہہ لیا جائے پئی اوہ اپنے آپ نوں ملامت کردے سن تاں گل سنی جاسکدی اے۔ جے مراد ایہہ لیئے کہ اوہ لوکاں نوں ملامت کردے سن تاں وی پنجاب یونیورسٹی والے انسائیکلوپیڈیا دے اعتراض دے باوجود ایہہ گل منی جاسکدی اے جے اوہناں مت دے حوالے نال لوکاں نوں وی مخاطب کیتا اے۔ پر جے ایہہ مراد لیئے کہ لوکی اونہاں نوں ملامت کردے سن تاں سوچنا پوے دا جے

Vol.4 No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

آخر کس گل توں؟ اونہاں دے کلام وچوں کوئی اجیہا مندا بول وی نہیں ملدا جس توں اونہاں نوں ملامت کرنا ضروری سمجھیا جاندا"۔ (3)

مصنف کے مطابق معلوم نہیں کیوں ان کو شراب نوش اور ناچنے گانے والے کردار میں پیش کرتے ہوئے ایک ہندو لڑکے کو بھی ان کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ شاہ حسین کے نام کے ساتھ مادھو لال کے اضافے کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ شاید ان کا نام ہی لال حسین تھا۔ مادھو کے لفظ کو سام وید کے ایک نقاد مہادیو کے قریب بتاتے ہوئے اس کی تشریح اس طرح کی ہے کہ گپتا خاندان کے ایک پیشوا کا نام بھی مادھو تھا۔ ساتویں صدی میں مالوے کے ایک حاکم کا نام بھی مادھو تھا۔ باجی راؤ پیشوا کا نام بھی مادھو تھا جس کو انگریزوں کی طرف سے سر کا خطاب بھی ملا تھا۔ پٹھانکوٹ کے قریب راوی کے کنارے پر ایک آبادی کا نام بھی مادھو پور ہے اور اس بستی کو یہ نام دریا کے کنارے پر ہونے کی وجہ سے ملا تھا۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ شاہ حسین نے اس دریائی حوالے سے اپنے آپ کو مادھو کہا ہو یا مادھو کے معنی شکر گنج ہی ہوں۔ لفظ مادھو کے کی مزید تشریح کرتے ہوئے وہ بتاتے ہیں کہ اس زمانے میں شاہو کار کا لفظ کسی کو بڑے کے طور پر بیان کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا۔ اسی طرح کاروبار کرنے والے ہندوؤں کو بھی شاہ یا شاہو کار کہا جاتا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پنجابی اور ہندی کے ایسے الفاظ کی جگہ عربی اور فارسی کے الفاظ مستعمل ہوتے گئے یا یہ ہوا کہ ان کے معنی ہی تبدیل کر دیے گئے۔

"شاہ حسین کہتا ہے "ناں میں صوفی ناں میں بھگتی" تے اوس نوں کسے حوالے توں بغیر شرابی آکھنا زیادتی اے۔ اوس نے اپنے آپ نوں فقیر آکھیا اے۔ سائیں دا فقیر آکھیا اے۔ تسی اوس نوں فقیر کہو۔"(4)

مصنف نے مضمون کا اختتام ان الفاظ پر کیا ہے۔

"اوس دیاں کافیاں دا مونڈھا ورتن والی شے سی پر اوہنا واسطے جیہڑے درداں پاروں پوری پوری ہوئے ہون۔ جے چنگی شاعری دی اک ایہہ خوبی اے تے سہان ایہہ وی ہوندی اے جے اوہ مرہم تے ٹکور دا کم وی دیندی اے تے حسینی کافیاں وچ ایہہ دوویں گلاں ملدیاں نیں یا مینوں ملیاں نیں"۔(5)

کھوج کا شمارہ نمبر ساٹھ (60) میں شاہ حسین کے بارے میں سات مضامین شائع ہوئے ہیں۔ ان میں سے پہلا بتیس (32) صفحات کا مضمون ڈاکٹر انجم رحمانی نے "شیخ حسین دے ویلے دا لاہور" کے عنوان کے تحت تحریر کیا ہے۔ اس مضمون میں مختلف ادوار اور عنوانات کے تحت شاہ حسین کی زندگی اور اس دور کے واقعات کا احاطہ کیا گیا ہے جن کا مختصر اَذکر یوں ہے۔

شاہ حسین کی پیدائش کے وقت ہندوستان پر دوسرے مغل بادشاہ ہمایوں کی حکومت تھی جب کہ اس کا چھوٹا بھائی شہزادہ کامران لاہور کا گورنر تھا۔ اس وقت کے لاہور کا جغرافیہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ مصنف نے سُوریوں کے اس دور میں مسجد میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران شاہ حسین کی شیخ بہلول دریائی سے ملاقات اوران کی بیعت کے واقعات اور شیخ بہلول دریائی کے واپس چلے جانے کے بعد شاہ حسین کے دن کو حضرت علی ہجویری کے دربار پر چلہ کشی اور دریائے راوی میں کھڑے ہو کر بارہ سال تک قرآن پڑھنے کے واقعات بیان کیے ہیں۔ شاہ حسین معروف عالم سعد اللہ سے "تفسیر مدارک" پڑھنے کے دوران جب اس آیت جس کا مطلب ہے کہ "دنیا کی زندگی کھیل تماشے کے علاوہ کچھ نہیں ہے" پر پہنچتے ہیں تو ان کی کایا بالکل پلٹ جاتی ہے۔ وہ مسجد سے مستانہ وار ناچتے ہوئے باہر آجاتے ہیں، سر اور داڑھی منڈوا دیتے ہیں۔ یوں وہ ظاہری پابندیوں سے آزاد ہو کر ملامتی روپ اختیار کر لیتے ہیں۔ یہاں پر ان کی بہلول دریائی سے ایک اور ملاقات ہوتی ہے اور وہ مطمئن ہو کر واپس چلے جاتے ہیں۔

1574 میں اکبر بادشاہ نے لاہور کو پایہ تخت بنایا اور پندرہ برس تک یہاں مقیم رہا۔ اکبر نے قیام لاہور کے دوران اس شہر کو بہت ترقی دی، شہر کو محلوں اور گزر گاہوں میں تقسیم کر کے ارد گرد پکی اینٹوں سے ایک فصیل بنائی جس میں بارہ دروازے اور نکاسی آب کے لیے ایک سوراخ بنایا۔ ہندو، پارسی پہلے ہی لاہور میں رہ رہے تھے اکبر کے دور میں یہاں پر عیسائی بھی آباد ہونے لگے ان کے علاوہ وسط ایشیائی علاقوں سے آنے والے لوگوں میں سے اکثریت شیعہ کی تھی وہ بھی اسی دور میں یہاں آئے۔ اکبر نے دین الٰہی کا اظہار تو 1282 میں کیا تھا لیکن لاہور میں اس دین کو شدت سے پیش کیا اور مخالفت کرنے والے علما کو شہر بدر کر دیا۔ اس دور میں شاہ حسین کے علاوہ ابو اسحٰق، حضرت موج دریا، شاہ بلاول، شاہ ابو المعالی، شاہ شمس الدین قادری، شیخ حسو تیلی، موسیٰ کھوکھر، شیخ ارزانی، داؤد شیر گڑھی اور بہت سے صوفیا و علما بھی لاہور میں موجود تھے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

شاہ حسین شہنشاہ اکبر کے لاہور کو پایہ تخت بنانے سے آٹھ برس پہلے ملامتی رنگ اختیار کر چکے تھے اور ظاہری طور پر غیر شرعی حرکات کے مرتکب ہو رہے تھے۔ کوتوال نے اکبر سے ان کی شکایت کی تو ان کو گرفتار کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کرنے کا حکم جاری ہو گیا۔ اسی دور میں مغل سلطنت کے ایک باغی "دلا بھٹی" کو بھی گرفتار کر کے قید کر دیا گیا تھا جس کو کوتوال نے بادشاہ کے حکم کے موجب پھانسی چڑھا دیا تھا جب کہ حقیقت میں بادشاہ کو اندھیرے میں رکھا گیا تھا۔ روایت ہے کہ شاہ حسین اس وقت وہاں موجود تھے اور کوتوال سے مڈبھیڑ میں انھوں اس کو بد دعا دی جس کا نتیجہ کوتوال کی پھانسی کی شکل میں نکلا۔ شاہ حسین کو بھی اکبر کے دربار میں پیش کیا گیا جہاں ان سے سوالات ہوئے اور وہ دربار سے باہر آ گئے۔ اس پر ان کو قید کر کے سخت پہرا لگا دیا گیا لیکن اکبر جب اپنے حرم میں گیا تو شاہ حسین کو وہاں موجود پایا۔ تحقیق کرنے پر قید خانے میں شاہ حسین نہیں تھے تو صبح بادشاہ نے ابوالفضل سے مشورہ کیا اور دوبارہ کبھی بھی شاہ حسین کو اپنے دربار میں طلب نہیں کیا۔

شاہ حسین کے سامنے لاہور سماجی، ثقافتی، سیاسی، علمی، تجارتی اور تہذیبی طور پر بہت ترقی کر گیا اور انھوں نے یہ سب کچھ اپنے سامنے ہوتے دیکھا۔ شاہ حسین کے دور میں لاہور میں شعر و ادب کو بہت ترقی ملی اور نثری و شعری کتب لکھنے کا رواج پڑا۔ اس کے ساتھ ساتھ سنسکرت سے فارسی میں ترجمے کا کام بھی ہوا۔ یہاں پر ہی ابوالفضل نے "اکبر نامہ" اور "آئین اکبری" تحریر کیں۔ اس کے بھائی فیضی نے تفسیر بے نقط، "سواطع الالہام" مکمل کی اور "مثنوی نل و من" لکھی۔ نظام الدین ہروی نے "طبقات اکبری" لکھی۔ اسلامی دنیا کی ہزار سالہ تاریخ مرتب کے کرنے کے سلسلے میں اکبر نے ایک بورڈ بنایا جس نے ملا احمد ٹھٹھوی کی سربراہی میں "تاریخ الفی" لکھی۔ عبدالقادر بدایونی نے "منتخب تواریخ" اور "نجات الرشید" لکھیں۔ نجات الرشید میں شاہ حسین کے مرنے اور دریا سے پار دفن کرنے کا واقعہ بھی لکھا ہے۔ شیخ منور لاہوری نے اکبر کے کہنے پر "مجمع البلدان" کا فارسی ترجمہ کیا جس میں ملا احمد ٹھٹھوی اور قاسم بیگ نے معاونت کی۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے ہندوؤں کی مذہبی کتاب "رامائین" اور "مہابھارت" کے فارسی ترجمے کیے۔ ملا محمد شاہ آبادی نے کلھن کی سنسکرت میں لکھی "راج ترنگی" کا فارسی میں ترجمہ کیا اس کے علاوہ "بھگوت گیتا" کو بھی فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔

اس مضمون میں شاہ حسین کے عمر کے آخری حصے میں مادھو نامی ہندو لڑکے سے تعلق یا عشق کا تذکرہ بھی کیا ہے، یہاں پر دانستہ اس کا ذکر سب سے آخر میں کیا جا رہا ہے کیونکہ اتنی عمدہ شاعری کرنے والا بندہ جس نے دینی تعلیم بھی حاصل کی تھی، اس کو روحانی درجات میں بھی کمال حاصل تھا اور ان پر مرشد کی نظر بھی تھی، وہ کسی لڑکے کے عشق میں اپنی کمائی برباد نہیں کر سکتا تھا۔ علاوہ ازیں وہ خود اپنی شاعری میں لوگوں کو سیدھی راہ پر چلنے کی تعلیم دے رہا تھا۔ اس لیے اس روایت سے احترام کے ساتھ اختلاف کرتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید اس بات میں کس حد تک کچھ حقیقت ہو لیکن پوری سچائی کا علم نہ ہونے کی بنا پر اس معاملے کو شاہ حسین سے جوڑنا، ان کے کلام میں دیے گئے پیغام کے متضاد لگتا ہے۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یا تو ہم تک پہنچنے والا یہ کلام ان کا نہیں ہے اور یا پھر ان کے بارے میں بیان کرنے والا راوی کسی تعصب یا خوف کا شکار ہے۔ شاہ حسین خود کہتے ہیں؛

کہے حسین فقیر نماناں
سچے صاحب نوں میں جاناں
اوڑک کم اللہ دے نال
من اٹکیا بے پرواہ دے نال
رہا میرے حال دا محرم توں
اندر توں ہیں باہر توں ہیں
روم روم وچ توں

شمارہ نمبر ساٹھ (60) میں ڈاکٹر محمد امین نے "شاہ حسین دی حیاتی تے سوچ" کے عنوان سے جو مضمون لکھا ہے اس میں دیگر مصنفین کی طرف سے کی جانے والی شاہ حسین کی پیدائش، زندگی، خاندان، قبیلے، تعلیم، روحانی مرتبے اور پھر ملامتی رنگ اختیار کر کے کافی کی صنف میں اپنا پیغام پہنچانے والی باتیں ہی دہرائی گئی ہیں۔ انھوں نے اپنے مضمون کی بنیاد محمد آصف خان کی مرتب کردہ کافیوں کی کتاب کو قرار دیا ہے۔

Vol.4 No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ان کے مطابق شاہ حسین نے اپنی کافیوں کا تانا بانا اپنے باپ کے پیشے سے لے کر ان کو علامتی انداز میں بیان کیا ہے۔ اس دور میں چرخے کی بہت اہمیت تھی اور یہ تقریباً ہر گھر میں استعمال ہونے کے ساتھ ساتھ جہیز کا لازمی حصہ ہوتا تھا۔ شاہ حسین نے اپنے روحانی تجربے کو بیان کرنے کے لیے روز مرہ زندگی میں استعمال کی اس چیز کو علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ علامت لوگوں کو با آسانی سمجھ آسکتی تھی۔ انھوں نے شاہ حسین کے بارے میں لکھا ہے؛

> "داج توں مراد عمل نیں تے چرخہ لگاتار عمل دی علامت اے۔ جیہڑا صوفی مسلسل نیک عمل دی تلقین کرے، اوہ کس طرح ملامتی ہوسکدا اے۔"(6)

پنجابی شعری ادب میں ہیر رانجھے کی عشقیہ داستان کو تقریباً تمام شاعروں نے نظما کر اس کے ذریعے نئے نئے مفاہیم و مطالب بیان کیے ہیں۔ شاہ حسین اس روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے ہیر کی ذات کو نفی اور رانجھے کو مالک کی علامت کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ان کے مطابق مالک کی خوشی اور رضا ہی زندگی ہے۔ صوفی دنیا میں جی نہیں لگاتے کیونکہ یہ دنیا چند دنوں کے بعد ختم ہو جانے والی ہے جس میں دکھ اور تکلیفیں ملتی ہیں۔ وحدت الوجود کے رنگ میں رنگی شاعری میں شاہ حسین نے اتنی سادہ زبان استعمال کی ہے کہ یہ آج کی زبان لگتی ہے جو شاہ حسین کا کمال ہے۔ شاہ حسین نے مشرقی پنجاب میں بولے جانے والے کچھ الفاظ مثلاً بیا، کیتم، متیں، گالہیں، تریمتیں وغیرہ بھی استعمال کیے ہیں۔

اس کے بعد والا مضمون "گلاں شاہ حسین دیاں" پروفیسر شریف کنجاہی کا تحریر کردہ ہے جو کھوج کے شمارہ نمبر اکتالیس (41) میں چھپ چکا ہے۔

اسی شمارے میں ڈاکٹر نبیلہ رحمان کا مضمون "اک شاہ حسین فقیر ہے" بھی شامل ہے جس میں مصنف نے شاہ حسین کی زندگی کو الگ الگ روپ میں بیان کیا ہے۔ پہلے روپ میں بچپن اور ابتدائی تعلیم کا دور شامل ہے۔ اس کے بعد ظاہری علوم کا حصول مکمل ہوتا ہے اور وہ روحانی مدارج طے کرنے کے لیے دیگر علوم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ "تفسیر مدارک" کی تعلیم ان کی زندگی کا رخ پلٹ کر ان کو ناچنے، گانے والے روپ میں ظاہر کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یوں ان کا دوسرا روپ، ملامتی کے طور پر سامنے آتا ہے۔ تیسرا روپ ادھیڑ عمری میں ایک ہندو نوجوان مادھو سے عشق ہے۔

یہ روپ ان کی زندگی کی حقیقتوں کو بیان کرتے ہیں جس میں شاہی اور فقیری کی رمزیں پنہاں ہیں۔ ان کے بارے میں شریعت اور طریقت کے معیار اور قاعدوں کے مطابق بہت سی باتیں ہوسکتی ہیں لیکن جو بندہ رب کی حقیقت کو جان لیتا ہے، وہ فقیر بن کر ایک الگ انداز میں سامنے آتا ہے۔ اس لیے اس کی سوچ بہت مختلف لگتی ہے۔ شاہ حسین کی ظاہری زندگی کے بارے میں فتوے دینا اور ان کو ملامت کرنا بہت آسان راہ ہے اور ایسا ہی کیا گیا لیکن ان کے باطن اور روحانی مرتبے کے بارے میں جاننا لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس لیے ہم بھی دوسرے لوگوں کی طرح اس کو فقیر سمجھتے ہیں۔ مصنف نے شاہ حسین کے کلام میں پوشیدہ رمز کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے؛

> "منگھ، منگھتا، منگھتا دے کئی بھید، کئی بھیس، اک دا ظاہر دوجے لئی اوہ نہیں جیہڑا پہلے لئی سی، اکہیں دٹھی دوجے لئی کسے ہو پچھو کڑ نال ہور ہو جاندی اے۔ اک ویلے داسچ، دوجے ویلے دا کُوڑ، ایک ویلے دا کُوڑ دوجے ویلے داسچ، عام منگھاں دی ایہہ صدیاں بدھی کٹھا اے۔ عجب کھیڈ اے، عجب تماشا اے۔ ایہو گل تے کھلی سی جد حسین نے ملامتی پنتھ وچ پیر دھریا سی، "ملامت"، "میں" مریندی اے اتے "توں" جگیندی اے "توں" جگے تے "میں" دی سمجھ تھیندی اے۔" (7)

ڈاکٹر نبیلہ کے مطابق شاہ حسین نے اپنے کلام میں علاقائی علامات استعمال کی ہیں جن میں چرخے کو بنیادی حیثیت حاصل ہے جو کہ انسانی وجود کی طرح ہر دم حرکت کا استعارہ قرار دیا ہے۔

> "جمود موت اے ایس لئی شاہ حسین نے وجود تے سے دی تند نوں اکو تانی وچ بُنیا اے کہ وجود دا سے تے صحیح تند نہ کتن اکتن بن جاندا اے۔ اصل سے تے کتن وچ لکھ اڑکاں ہوندیاں نیں، ہر سماج وچ چلدے ویہار وچلے کاگ جُھٹی وی مریندے ہن، چور نت چوریاں وی کریندے ہن پھر اس جیون نوں سدھ پکّنا تے شُدھ کھیڈنا ہی اصل جیون ہے۔"
>
> (8)

Vol.4 No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

شاہ حسین کے مطابق فقیری آسان کام نہیں ہے کیوں کہ عشق کی بنیاد سچائی پر ہے نہ کہ جھوٹ، مصلحت، ذات پات یا تکبر و غرور پر۔ ان کے کلام میں فراق کا درد، مصیبتوں اور تکلیفوں کی خبر، حقیقت کی تلاش اور مرشد کی بتائی ہوئی راہ پر چل کر نیک اعمال کے ذریعے حقیقی اور ابدی زندگی کے حصول کی تڑپ ہے۔ یہ منظر کشی شاہ حسین نے اپنے کلام میں بہت خوبصورت انداز میں کر دی ہے۔

عملاں اُپر ہوگ نبیڑا کیا صوفی کیا بھنگی
جو رب بھاوے سوائی تھیسی، سائی بات ہے چنگی

اس کے بعد سعادت علی ثاقب کا مضمون ”شاہ حسین تے راگ کیدارا“ ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ شاہ حسین کو موسیقی کا اتنا علم تھا کہ وہ راگوں، سُروں، ماتروں، ٹھاٹھوں اور لَے وغیرہ کے بارے میں بھی جانتے تھے۔ مصنف نے راگ کیدارا کی بندشوں کے حساب سے بتایا ہے کہ شاہ حسین کے کلام میں لمبی بحر بہت کم ہے اور زیادہ تر کلام چھوٹی بحر میں کہا ہے۔

”اونہاں گھٹو گھٹ کافی وچ 14 ماتریاں دی بحر ورتی اے۔ جتھوں تک موسیقی بارے اونہاں دے شعور دا تعلق اے، شاہ حسین نے اپنی ہر کافی نوں کسے نہ کسے راگ وچ ترتیب دتا اے۔ اونہاں دیاں کافیاں نوں گوہ نال پڑھ کے ایہہ گویڑ لایا جا سکدا اے جے اونہاں کافی اتے راگ داناں سہہ سبھا ای نہیں لکھ چھڈیا سگوں ایہدے پچھے اونہاں دا موسیقی بارے علم کم کر داو کھالی دیندا اے۔“ (9)

شاہ حسین نے ”راگ کیدارا“ میں تین کافیاں لکھی ہیں۔ ایک کافی کے پس منظر کی عکاسی اس طرح کی گئی ہے کہ ایک خوبرو دوشیزہ خوشنما لباس اوڑھے، سر پر جوڑا سجائے چاندنی رات میں تنہا اپنے محبوب کا انتظار کر رہی ہے۔ اس کے جوڑے سے ایک سانپ نکل کر اس کو بار بار ڈس رہا ہے اور اس دکھ اور کرب کا اظہار اس کافی میں راگ کیدارا کے ذریعے کیا گیا ہے؛

مائے نی میں کینہوں آکھاں درد وچھوڑے دا حال
دھواں دھُخے میرے مرشد والا جاں پھولاں تاں لال
سُولاں مار دیوانی کیتی برہوں پیا خیال
دکھاں دی روٹی سولاں دا سالن آہیں دا بالن بال
جنگل بیلے پھراں ڈھوڈیندی اجے نہ پایو لعل
کہے فقیر حسین نمانا شوہ ملے تاں تھیواں نہال

شاہ حسین کی کافیوں کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ دراصل پنجابی میں لکھے گئے دھرپد ہیں جن کی دھنیں انھوں نے متعلقہ راگوں میں ترتیب دی ہوں گی۔ دھرپد کی گائیکی چار حصوں استھائی، انترہ، سنچاری، ابھوگ پر مشتمل ہے۔ اس صنفِ گائیکی کا انداز سیدھا سادہ اور سنجیدہ ہوتا ہے اس لیے تان، مُرکی، مینڈھ سروں کا استعمال ممنوع ہے۔ دھرپد میں استھائی، انترہ، سنچائی، ابھوگ تکنیکی امتیازات کے باوجود ایک خاصہ رکھتے ہیں اور ایک منطقی کُلیت بناتے ہیں۔ شاہ حسین کی طرف سے اپنے کلام کو ان راگوں کے مطابق لکھنے کے سلسلے میں کوئی دستاویزی یا اور ثبوت تو نہیں ملتا لیکن خود ان کا کلام اس بات کی گواہی دیتا ہے۔

شمارہ نمبر 60 میں ”شاہ حسین دی فکر دا مختصر تاریخی تے عمرانی مطالعہ“ کے عنوان سے منصور احمد شاہ کا مضمون بھی شامل ہے۔ انھوں نے پنجاب کی دھرتی کا تعارف کراتے ہوئے اس پر بابا فرید، سید بلھے شاہ، سلطان باہو، وارث شاہ، میاں محمد بخش اور خواجہ غلام فرید جیسی ہستیوں کا ذکر کیا ہے جنھوں نے اپنے کلام کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں ایمان کی روشنی پہنچائی۔ شاہ حسین نے کافی کی صنف میں ایسی شاعری کی جو عام علامات کے ذریعے مقامی لوگوں کے دلوں میں گھر کر گئی۔ انھوں نے شاہ حسین کی پیدائش، تعلیم اور مجذوبی کیفیت کے بارے میں دیگر مصنفین والی باتیں دہرائی ہیں۔ ان کے مطابق شاہ حسین کی عبادت و ریاضت کی بدولت رب تعالیٰ کی حقیقت ان پر آشکار

Vol.4 No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ہو چکی تھی اور وہ رب تعالیٰ کے مقام اور بندے کی حیثیت جان گئے تھے۔شاہ حسین اس بات کو بھی جانتے تھے کہ اس ہستی سے عشق کرنا انتہائی مشکل ہے اور اس راہ میں بہت تکلیفیں سہنی پڑتی ہیں۔وہ کہتے ہیں؛

عاشق ہوویں تاں عشق کماویں
راہ عشق دا سوئی دا نکا
دھاگا ہوویں تے جاویں

شاہ حسین علامات کے ذریعے اس خوبصورتی سے پنجاب کے لوگوں کی تہذیبی اور سماجی نفسیات کا اظہار کرتے ہیں کہ منظر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگ جاتے ہیں۔

جنگل بیلے پھراں ڈھوڈیندی رانجھن میرے سنگے
مجھیں آئیاں ڈھول نہ آیا ہیر کُوکے وچ جھنگے
راتیں دیہاں پھراں وچ تھل دے پیڑن بولاں کنڈے
کہے حسین فقیر نمانا رانجھن مل کت ڈھنگے

شاہ حسین نے منصور کے کردار کو تلمیح کے طور پر استعمال کیا ہے جس نے اپنے نظریہ ترک کرنے کی بجائے سولی پر چڑھ جانے کو ترجیح دی۔

عشقے دے دریاؤں کراہیں منصور قبولی سولی

"شاہ حسین ہوراں دی شاعری وچ سچائی دا اک ڈونگھا جذبہ دکھائی دیندا اے۔ایہہ ڈونگھا احساس، جذبہ تے شاہ حسین دی سوچ رل کے ایسی کیفیت پیدا کر دیندے نیں جیہدے نال شاہ حسین دی شاعری دلاتے نقش ہون دا کمال حاصل کر لیندی اے۔"(10)

ڈاکٹر راشد متین کا مضمون "شاہ حسین کی فکری روایت" اردو میں تحریر کیا گیا جس میں شاہ حسین کے فلسفے، دور اور شاعری کے انداز کو واضح کیا گیا ہے۔مضمون کا آغاز یوں ہوتا ہے؛

ربا میرے حال دا محرم توں
اندر توں ایں باہر توں روم روم وچ توں
توں ہی تانا توں ہی بانا سب کجھ میرا توں
کہے حسین فقیر سائیں دا میں ناہیں سب توں

تقریباً ساڑھے چار سو سال پہلے یہ آواز شنکر اچاریہ کی مطلق احدیت کو مسترد کرتے ہوئے ویدانت کے فلسفے پر اپنی فکر کی تعمیر کر کے وحدانیت کا ابلاغ تھا۔شاہ حسین کے دور میں متحدہ قومیت کے احساس کو اجاگر کیا جا رہا تھا اور دوسری طرف قادریہ سلسلہ رواج پا رہا تھا۔شاہ حسین کی بھگتی تحریک کے دو سرکردہ رہنماؤں "گورو ارجن" اور "چھجو بھگت" کے ساتھ دوستی تھی جس کے اثرات ان کی شخصیت اور فکر میں محسوس ہوتے ہیں۔شاہ حسین کے ہاں خودی اور وارفتگی میں دنیا کی بے ثباتی کا جذبہ اور فقر و استغنا کا احساس بدرجہ اتم موجود تھا۔ان کو خدا کی ذات کے سوا ہر چیز فانی نظر آتی تھی جس کی وجہ سے دنیا کی نعمتیں ان کے سامنے ہیچ تھیں۔شاہ حسین کے خیالات وعقائد ہندی مگر طریق زندگی ایرانی صوفیا جیسا تھا۔

ان کا مسلک عشق اور صرف عشق تھا۔مادھو کی محبت اسی عشق کے اظہار کی ایک ظاہری صورت تھی۔شاہ حسین نے عالم ہونے کے باوجود ملامتی روپ اختیار کیا جس کی وجہ اصلاح اور تربیت نفس تھی۔سقراط بھی اسی فلسفے کے تحت پھٹے پرانے کپڑے پہن کر گلیوں میں پھرا کرتا تھا۔انھوں نے خود اپنے لیے نمانا اور نتانا کے الفاظ بھی

Vol.4 No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

استعمال کیے ہیں۔ ان کے ہاں علامات کو استعاراتی طور پر استعمال کیا گیا ہے اور اگر ان کے مفہوم اور مقصد کی طرف دھیان دیا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے۔ شاہ حسین نے منصور کی طرح "انا الحق" کہنے کی بجائے تمثیلی انداز اختیار کیا ہے۔

رانجھن مینوں سب کوئی آکھو ہیر نہ آکھو کوئی
ماہی ماہی کوکدی میں آپے رانجھن ہوئی

ان کی کافیوں میں خیال کی گہرائی، جذبے کی مستی اور احساس کی شدت کے ساتھ ساتھ موسیقیت بھی ملتی ہے۔ دنیا ان کے لیے ایک سرائے، میلہ یارات کے سوا اور کچھ نہیں ہے جب کہ دنیا کی بے ثباتی کا ثبوت انسان کا مسافر کی طرح یہاں زندگی گزار کر چلے جانا ہے

شاہ حسین کے مطابق عقل کمینی ہوتی ہے تب ہی تو وہ انسان کو اس دنیا میں عاجزی اور انکساری سے زندگی بسر کرتے ہوئے قادر مطلق سے انعام پانے سے غافل رکھتی ہے۔ شاہ حسین کی شاعری میں ان کے محب نہیں بلکہ محبوب ہونے کی خبر ملتی ہے اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ خدا خود ان سے محبت کرے کیونکہ وہ اس سے اتنی شدت سے محبت کر چکے ہیں کہ خود محبوب ہو گئے ہیں۔ شاہ حسین کے ہاں خدا اور انسان ایک ہی ذات کے دو مظاہر ہیں۔ یہ قائم بالذات وجود ہیں اور ان کے درمیان وحدت ممکن ہے جو کہ عارضی ہے۔ خدا لافانی ہے اور کسی بھی طرح سے کوئی بھی جدوجہد یا محنت انسان کو ابدیت سے ہمکنار نہیں کر سکتی۔ شاہ حسین کا جسم ملامتی، روح قادری تھی لیکن ان کا فلسفہ وحدت الوجود سے مختلف اور وحدت الشہود کے قریب تر ہے۔

کھوج شمارہ نمبر باسٹھ (62) میں عمران خالد نے اپنے مضمون "شاہ حسین دی شعری زبان" میں لکھا ہے کہ صوفیانہ شاعری میں عشق (ہجر، وصال، تڑپ، کسک، بے چینی، بے قراری)، محبوب سے مضبوط تعلق، تصور فنا، عمل کی خواہش اور تلقین، جز اور انکساری (جو ذات کی نفی کرتی ہو) اور اکلا پاچھ حوالوں سے اثرات پائے جاتے ہیں۔

شاہ حسین کی شاعری میں یہ چھ عناصر بھرپور طور پر کارفرما نظر آتے ہیں۔ شاہ حسین تنہائی پسند ہونے کے باوجود سماجی مراسم رکھتے تھے۔ کمزور اور عام طبقے کے لوگوں کے دکھ اور مصیبتوں کا احساس کرتے ہوئے صاحبانِ اختیار پر تنقید کرتے اور ان کو برا بھلا بھی کہتے تھے۔ ان کو اللہ کے خوف سے ڈرا کر لوگوں کی بھلائی کرنے کی تلقین بھی کرتے تھے۔ شاہ حسین کے ہاں تبلیغی انداز نہیں ہے بلکہ وہ سادا زبان اور عام انداز میں لوگوں کو اپنا مزاج تبدیل کرنے کا سبق دیتے ہیں۔ مصنف نے شاہ حسین کے کلام کے بارے میں لکھا ہے۔

> "خیال کناں ای اچھوتا تے جذبہ کناں ای کمال دا کیوں نہ ہووے، جے ایس جذبے تے خیال نوں اعلیٰ زبان نہ دتی جاوے تے فیر اوہ زیادہ دیر تیکر نہ زندہ رہ سکدے نیں تے نہ ای آون والے زمانے اُتے اپنا کوئی اثر چھڈ دے نیں۔ شاعری وچ اعلیٰ تے خوبصورت جذبے نال میل کھاندی زبان دی ورتوں، مقبولیت تے شرف عام حاصل کرن لئی ضروری اے۔ شاہ حسین دی زبان دی ریشیت تے گدازنے سوز دے تڑکے نال میل کے ایسا سوہنا رنگ اختیار کیتا جہنے ہر پڑھن والے نوں اونہاں دا گرویدہ بنا دتا اے۔" (11)

اس مضمون میں شاہ حسین کے کلام میں تشبیہات، مرکب، تراکیب، محاورہ، تلمیحات، صنعت تضاد اور سماجی اصطلاحات کا احاطہ کرتے ہوئے مثالوں سے وضاحت کی گئی ہے۔

کھوج کے شمارہ نمبر چھہتر (76) میں "کافیاں شاہ حسین وچ "حسین" ناں دا ور تارا" کے عنوان سے خاقان حیدر غازی کا مضمون شامل ہے۔ انھوں نے بھی شاہ حسین کی پیدائش، خاندان، تعلیم اور حالات زندگی ان کے حوالے سے تحریر ہونے والی کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ انھوں نے شاہ حسین کے کلام میں اپنے لیے "حسین" کے لفظ کو مختلف انداز میں استعمال کرنے والی کافیوں کی تعداد بتائی ہے۔

1-	کہے حسین	21 کافیاں
2-	کہے حسین فقیر	02 کافیاں
3-	کہے حسین فقیر نمانا	41 کافیاں

Vol.4 No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

4۔	کہے حسین فقیر سائیں دا	62کافیاں
5۔	حسینا/حسینو	03کافیاں
6۔	کہے حسین فقیر ربانا	06کافیاں
7۔	شاہ حسین	13کافیاں
8۔	شاہ حسین فقیر	06کافیاں
9۔	حسین	02کافیاں
10۔	کہے حسین فقیر مولا دا	02کافیاں
11۔	کہے حسین گدائیا	02کافیاں
12۔	کہے حسین فقیر گدائی	04کافیاں
13۔	نام کے بغیر کافیاں	01کافی،01اشلوک

ان کافیوں کے آخری مصرعے کو حوالے کے طور پر بیان کیا گیا ہے جن میں شاہ حسین اپنے لیے نمانا، فقیر، فقیر گدائیا، فقیر ربانا اور شاہ حسین کے الفاظ کے استعمال کیے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود کے لیے نمانا، فقیر، فقیر گدائیا، فقیر ربانا کے الفاظ استعمال کرنے والے نے شاہ حسین کا لفظ کب استعمال کیا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ان کے بعد ان کے ماننے والوں نے ان کو شاہ کہنا شروع کر دیا ہو۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فقر کی راہ پر شاہ حسین کی کیفیت بھی "انا الحق" کا نعرہ لگانے والی ہو گئی تھی اس لیے وہ خود کو حسین فقیر سے شاہ حسین کہنے لگ گئے۔ اس سلسلے میں کچھ محققین اور دانشوروں کی رائے یہ بھی ہے کہ شاید یہ مصرعے ان کے نہیں ہیں بلکہ ان کے عقیدت مندوں اور چاہنے والوں نے شامل کیے ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ شاہ حسین نے جب مادھو کو زندہ کیا تو چھجو بھگت نے ان کو شاہ کہا تھا۔ یہ بات سچ ہو سکتی ہے لیکن ایک ایسے شخص کا اپنے آپ کو شاہ کہنا جس کی ساری زندگی اپنی ذات کی نفی میں گزری ہو ممکن نہیں ہے۔ دوسری طرف یہ بھی سچ ہے کہ اکیس (21) کافیاں اس بات کی گواہی دے رہی ہیں کہ انھوں نے یہ نام استعمال کیا ہے۔

یہ تمام مضامین شاہ حسین کی زندگی اور کلام کے مختلف گوشوں کو نمایاں کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ اس سلسلے میں مزید مضامین بھی شائع ہوں تا کہ پنجابی زبان پڑھنے اور بولنے والوں تک شاہ حسین کا فلسفہ اور فکر پہنچ سکے۔

References:

Khoj (Chehmahi), (Lahore, Department of Punjabi, Punjab University, 2008), 13

1. (As above) 1983-1984, 3
2. (As above), 1998, 15
3. (As above), 1998, 17
4. (As above), 1998, 18
5. (As above), 2008, 46-47
6. (As above), 2008, 61
7. (As above), 2008, 62
8. (As above), 2008), 66
9. (As above), 2008, 80
10. (As above), 2009, 46-47